الفاظِ طلاق سے متعلقہ اصولوں کی تفہیم وتشریح

(تیسری قسط)

مفتی شعیب عالم

تیسرا فائدہ

اب تک جو کچھ بیان ہوا، اس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق ایسے لفظ سے ہوتی ہے جو طلاق کا مطلب ومفہوم رکھتا ہو۔ جو لفظ اس خصوصیت کا حامل اور اس معیار پر پورا اترتا ہو، اس کی پھر دو قسمیں ہیں: ۱:......صریح۔ ۲:......کنایہ (۱)

''صریح'' کا غالب استعمال طلاق کے معنی میں ہوتا ہے، جب کہ کنایہ میں طلاق کے علاوہ دوسرے معنی کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ یہ فائدہ ان دونوں کے بیان میں ہے۔ اگر ہم اس فائدے کو پچھلے دو فوائد کے ساتھ ملا کر بیان کریں تو تعبیر یوں ہوگی کہ'' طلاق صرف صریح یا کنایہ لفظ سے ہوتی ہے۔''

صریح اور کنایہ کی بحث انتہائی اہمیت کی لائق بحث ہے، اس لیے پہلے ان پر کچھ عمومی نوعیت اور تعارفی قسم کی گفتگو مفید معلوم ہوتی ہے، یہ گفتگو ان دونوں کے تصور، مفہوم اور احکام کو سمجھنے میں مدد ومعاون ہوگی۔

صریح کی تعبیر وتفسیر

انسان نے جس دن سے لکھنا سیکھا ہے، اسی دن سے اس کی خواہش رہی ہے کہ جو کچھ وہ تحریر کرے وہی پڑھا جائے اور جو پڑھا جائے وہی سمجھا جائے۔ اسی طرح جب سے انسان نے بولنا سیکھا ہے، اس کی کوشش ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ کہے وہی سنا جائے اور جو سنا جائے وہی سمجھا جائے، اس کے الفاظ سے باہر اس کی نیت تلاش نہ کی جائے اور اس کی طرف کوئی ایسا مقصد منسوب نہ کیا جائے جو اس کے الفاظ سے ظاہر نہ ہوتا ہو۔ یہ ایک عمدہ اور سنہرا اصول ہے اور الفاظِ طلاق کی تعبیر وتشریح کرتے وقت بہت مفید اور معاون ثابت ہوتا ہے۔

اس اصول کی رو سے جب شوہر اپنی زوجہ کے متعلق طلاق کا کوئی صاف، سادہ اور واضح لفظ استعمال کرلیتا ہے، جس میں کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں ہے تو اس کا مقصد وہی ہے جو لفظوں میں اس نے

بیان کر دیا ہے۔ اب اس کی نیت ٹٹولنے کی ضرورت اور اس کا منشأ سمجھنے کی جستجو درست نہیں ہے، جو کچھ کہنا تھا اس نے صاف اور سیدھے لفظوں اور کھلے اور واضح جملے میں کہہ دیا ہے۔ اپنے منشأ کے بیان اور مقصد کے اظہار کے لیے جو الفاظ اس نے چنے ہیں، وہ اس کی نیت کے مظہر ہیں اور اسی سے اس کا عندیہ معلوم ہو گیا ہے۔ ایسی صورت حال میں جب کہ اس کے الفاظ غیر مجمل اور غیر مبہم ہیں اور ان میں کوئی اغلاق اور پیچیدگی نہیں ہے، اس کی نیت تلاش کرنے اور اس کے الفاظ میں کوئی اور معنی ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، اس موقع پر مفتی کو تفسیر وتشریح سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے اور لفظ کو اس کا فطری معنی اور مستعمل مفہوم پہنا کر اس کا حکم بتا دینا چاہیے۔ وجہ وہی ہے کہ شوہر نے اپنی نیت خود ہی اپنے الفاظ میں بیان کر دی ہے۔ یہ جاننا مفتی کا فریضہ نہیں ہے کہ شوہر کی نیت کیا تھی؟ بلکہ اُسے یہ دیکھنا چاہیے کہ شوہر نے کہا کیا ہے؟ کیونکہ جو کچھ اس نے کہا ہے، وہی اس کی نیت ہے۔ اس لمبی چوڑی اور طول طویل تمہید کو فقہاء ایک مختصر اور بلیغ جملے میں سمیٹ کر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: ''صریح نیت کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔''

جب اس جملے کی فقہی نقطۂ نظر سے تشریح کی جاتی ہے تو تین صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱:......شوہر کی نیت صریح سے طلاق دینے کی ہو۔

۲:......شوہر کی کوئی نیت نہ ہو۔

۳:......شوہر طلاق کے برعکس کوئی اور نیت رکھتا ہو۔

پہلی دو صورتوں کا حکم واضح اور غیر اختلافی ہے۔ شوہر کی نیت طلاق کی ہو یا کچھ نیت نہ ہو، صریح کے استعمال سے طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن اگر وہ طلاق کے علاوہ کوئی اور نیت رکھتا ہو تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ قضا اور دیانت کی بحث میں اس پر گفتگو ہوگی۔

کنایہ کی توضیح وتشریح

الفاظ انسان کے مافی الضمیر کے پوری طرح آئینہ دار ہوتے ہیں، مگر سامع اس وقت یقینی طور پر متکلم کا مقصد پا لیتا ہے، جب لفظ ایک ہی مفہوم کا حامل ہو اور اپنے مفہوم میں واضح بھی ہو۔ اس صورت میں نہ تعبیر وتشریح کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ نیت جانچنے کی حاجت ہوتی ہے، بلکہ لفظ اپنے مروج معنی میں مستعمل اور عام فہم معنی میں متعین سمجھا جاتا ہے، لیکن جب لفظ ایک سے زائد معنی ومفہوم رکھتا ہو تو پھر صرف لفظ پر کامل اعتماد اور کلی انحصار نہیں کیا جا سکتا اور یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ متکلم کی نیت اس کے کلام سے واضح ہے۔ زیادہ سے زیادہ کسی ایک معنی کے متعلق قیاس کیا جا سکتا ہے، مگر ہو سکتا ہے کہ شوہر سامع کے قیاس کے برعکس کوئی اور نیت رکھتا ہو۔ کنایہ کے استعمال کی صورت میں کچھ ایسی ہی صورت ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں طلاق کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کی ممکنہ تعبیریں بھی ایک سے زیادہ ہوتی ہیں اور جب لفظ متعدد

تعبیرات کا حامل اور ایک سے زیادہ تشریحات کا احتمال رکھتا ہو تو پھر کسی ممکنہ تعبیر اور محتمل تشریح کو حتمی طور پر شوہر کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا، جب تک ایسا کرنے کے لیے کوئی معقول دلیل نہ ہو۔

معقول دلیل یا تو شوہر کی نیت ہے کہ وہ خود بیان کردے کہ کنایہ کے استعمال سے اس کی مراد کیا تھی یا پھر قرینہ ہے جس سے شوہر کی نیت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان دونوں کے ذریعے یا دونوں میں کسی ایک کے ذریعے ایک ممکنہ معنی کی نفی اور دوسری کا اثبات یہی کنایہ کی تعبیر وتشریح ہے اور مفتی پر تعبیر وتشریح کی یہ نازک اور حساس ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ صریح میں تو وہ تشریح سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے، مگر کنایہ میں اس کی حیثیت معبر اور مفسر کی ہوتی ہے اور اس کے سامنے ایک بنیادی نوعیت کا سوال اُٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کنایہ کے استعمال سے شوہر کا منشأ کیا تھا؟ اس نے کس غرض اور مقصد سے کنایہ کا استعمال کیا ہے؟

شوہر سے دریافت کرنے پر اگر وہ خود اظہار کر لیتا ہے کہ اس کا ارادہ طلاق دینے کا تھا تو مزید کھوج کرید کی ضرورت نہیں، کیونکہ متکلم سے بڑھ کر کوئی اس کے قول کا شارح اور نیت کا ترجمان نہیں ہوسکتا، شوہر اس وجہ سے بھی سچا سمجھا جائے گا کہ وہ لفظ سے خلافِ ظاہر معنی مراد نہیں لے رہا، کیونکہ لفظ اس کی نیت کا ساتھ دیتا ہے اور اس تہمت کی بھی نفی ہو جاتی ہے کہ اس نے تخفیف کی غرض سے اپنی نیت طلاق کی بیان کی ہے۔ بہر حال اس کی نیت معتبر، اس کا بیان قابل قبول اور اس کی بیوی پر طلاق واقع سمجھی جائے گی۔

اگر شوہر طلاق کی نیت کا انکار کرتا ہے تو چونکہ نیت ایک قلبی فعل، داخلی جذبہ، نگاہ سے اوجھل اور حواس سے مستور فعل ہے، اس لیے دیکھا جائے گا کہ ظاہری احوال بھی اس کی نیت کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر قرائن اور علامات جسے فقہاء ''دلالت حال'' سے تعبیر کرتے، نیت پر دلالت کرتے ہوں تو اسی سے شوہر کی نیت اخذ کی جائے گی اور یہ باور کیا جائے گا کہ شوہر کی نیت اپنی زوجہ کو طلاق دینے کی تھی۔

اگر اس کی نیت بھی طلاق کی نہ ہو اور کوئی قرینہ بھی اس کی نیت پر دلالت نہ کرتا ہو تو طلاق کے عدم وقوع کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ہم اختصار کے ساتھ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کنایہ سے طلاق اس وقت واقع ہوتی ہے جب شوہر کی نیت طلاق کی ہو یا قرائن سے اس کی نیت طلاق دینے کی معلوم ہوتی ہو۔

صریح کی طرح کنایہ کے متعلق بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شوہر طلاق کی نیت کا انکار کرتا ہے تو عند اللہ اس کی نیت قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ یہ بات اتفاقی ہے کہ عند اللہ اس وقت طلاق ہوگی جب اس کی نیت طلاق کی ہو، یہ بات بھی بے غبار اور غیر اختلافی ہے کہ قاضی اس نیت کے مطابق نہیں بلکہ قرائن کو مدنظر رکھ کر فیصلہ صادر کرے گا، مگر کیا مفتی بھی اس کی نیت کے مطابق اُسے فتویٰ دینے کا پابند ہے؟ اس پر ایک مستقل عنوان کے تحت گفتگو ہوگی۔ صریح اور کنایہ کے عمومی تصور اور اجمالی خاکے کے بعد اب ان پر اصولی اور فقہی اعتبار سے گفتگو کی جاتی ہے۔

صریح

اصول فقہ کے علماء ''صریح'' اُسے کہتے ہیں جس کا معنی صاف اور واضح ہو، فقہاء طلاق

کے مسائل میں صریح اُسے کہتے ہیں ''جس کا استعمال صرف طلاق کے لیے ہوتا ہو۔'' (۲) اس کثرتِ استعمال سے اس کا معنی اتنا معروف، مطلب اتنا صاف اور مفہوم ایسا واضح ہوتا ہے کہ بولتے ہی اس کا مقصد سمجھ میں آجاتا ہے اور ذہن اصل مطلب اور مقصودی معنی کے علاوہ کسی اور طرف نہیں جاتا۔

دونوں تعریفات کے فرق سے دونوں علوم کا مزاج صاف ظاہر ہے، اُصولی کی نظر لفظ کے فی نفسہ معنی پر ہے کہ وہ روشن ہے کہ نہیں، اُسے اس سے غرض نہیں کہ صریح اس معنی میں استعمال بھی ہوتا ہے یا نہیں، جب کہ فقیہ کی نگاہ لفظ کے استعمال پر ہے۔ فقہ ایک عملی اور تطبیقی علم ہے، اس لیے فقہاء کی نظر عملی پہلو پر رہتی ہے، جب کہ اصول فقہ ایک عقلی اور نظری علم ہے، اس لیے اصطلاح میں بھی عملیت کی بجائے نظریت صاف جھلک رہی ہے۔

عام کتابوں میں درج ہے کہ صریح کا استعمال صرف طلاق کے لیے ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ صریح کا سو فیصد اور کلی استعمال صرف طلاق کے لیے نہیں ہوتا ہے، بلکہ قلیل ہی سہی، اس میں غیر طلاق کی بھی گنجائش ہوتی ہے، اس لیے مبنی بر حقیقت تعریف یہ معلوم ہوتی ہے کہ صریح کا اکثر و بیشتر یعنی غالب اور عمومی استعمال طلاق کے لیے ہوتا ہے۔ یہی تعریف فتاویٰ شامی میں بحر کے حوالے سے منقول ہے۔ (۳)

صریح کا حکم یہ ہے کہ اس کا تکلم گویا اس کے معنی کا تکلم ہوتا ہے۔ لفظ ہی سے متکلم کی نیت ظاہر ہوجاتی ہے، اس لیے اس کا منشأ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ طلاق کا لفظ اور اس سے مشتق مختلف صیغے اس بارے میں صریح تصور ہوتے ہیں جیسے: ''تجھے طلاق ہے''، ''طلاق دی''، ''تجھے طلاق دیتا ہوں'' وغیرہ۔

یہ سوال کہ کون سا لفظ صریح ہے؟ اس کا مدار عرف پر ہے۔ عرف سے کوئی لفظ صریح بنتا ہے اور عرف ہی صریح کو کنایہ اور کنایہ کو صریح بنا دیتا ہے۔ کسی لفظ کا معنی فی نفسہ بہت ہی واضح اور روشن ہو اور اس میں کوئی ابہام اور پوشیدگی نہ ہو، مگر اس کا عام استعمال طلاق کے لیے نہ ہوتا ہو تو فقہاء کے نزدیک وہ صریح نہیں، اس کے برعکس ایک ایسا لفظ جس کا مطلب فی نفسہ مبہم اور پوشیدہ ہے، مگر اس کا اکثر و بیشتر استعمال طلاق کے لیے ہوتا ہے تو وہ صریح ہے۔ (۴)

صریح پر بہ قدرِ ضرورت گفتگو کے بعد اب کنایہ کا بیان شروع ہوتا ہے، جس کا بیان طویل، مسائل غامض اور فہم ذرا مشکل ہے۔ کنایات سے فقہاء کے دقتِ فہم، قوتِ نظر، عمیق مشاہدے، حقیقت بیں نگاہ اور عرف سے بھرپور واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

کنایہ

علماء اصول کے نزدیک جس لفظ کی مراد پوشیدہ ہو، وہ کنایہ ہے۔ یہی مطلب فقہاء کے نزدیک بھی ہے، مگر طلاق کے مسائل میں جو لفظ اصلاً طلاق کے لیے نہ ہو، مگر طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھتا ہو، وہ کنایہ ہے۔ (۵)

کنایہ کا لغوی معنی صاف اور واضح ہوتا ہے، مگر مقصودی معنی میں ابہام اور پوشیدگی ہوتی ہے، جسے دور کرنے کے لیے اور متکلم کا اصل مقصد سمجھنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، جب کہ صریح کی صورت میں یہ ضرورت نہیں ہوتی، وہاں متکلم کے الفاظ سے ہی اس کی نیت کا اندازہ ہو جاتا ہے، اس کے برعکس کنایہ کے استعمال کی صورت میں صورت حال مختلف ہوتی ہے، شوہر گول مول الفاظ استعمال کرتا ہے اور اپنے مقصد کو کھول کر اور وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کرتا ہے، اس لیے اس سے پوچھنے اور گرد و پیش کے حالات پر غور کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

طلاق اور غیر طلاق کا مطلب

یہ نکتہ نہایت اہمیت کے لائق ہے، اس لیے اسے جلی عنوان کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہے۔

کنایہ کی تعریف میں کہا گیا کہ وہ طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھتا ہے۔ اس ''طلاق اور غیر طلاق'' کی وضاحت ضروری ہے۔ مختصراً یہ کہ کنایہ کے بیان میں طلاق سے مراد ''جواب'' کا معنی ہے اور جواب کا مطلب یہ ہے کہ شوہر نے طلاق کے مطالبے کو منظور کرتے ہوئے طلاق دے دی ہے۔ ''غیر طلاق'' سے مراد ''سب وشتم'' یا ''رد'' کا معنی ہے۔ آگے آئے گا کہ کنایہ الفاظ کی تین قسمیں ہیں اور حاصل اس کا یہ ہے کہ کچھ کنایات صرف ''جواب'' کا اور کچھ جواب کے ساتھ ''رد'' کا اور کچھ جواب کے ساتھ ''سب وشتم'' کا احتمال رکھتے ہیں۔ فقہاء جب کہتے ہیں کہ کنایہ طلاق کا احتمال رکھتا ہے تو اس احتمال سے جواب کا معنی مراد ہوتا ہے، یہ معنی تمام کنایات میں پایا جاتا ہے اور اُسے سب کی مشترکہ خصوصیت کہہ سکتے ہیں۔

''غیر طلاق'' کے احتمال سے مراد ''سب وشتم'' یا ''رد'' کا معنی ہے۔ جب کنایہ کو اس معنی پر حمل کرتے ہیں تو اس سے طلاق نہیں ہوتی، کیونکہ رد کا مطلب ہے کہ شوہر نے طلاق کو مسترد کر دیا ہے اور سب وشتم کا مطلب ہے کہ شوہر طلاق نہیں دے رہا، بلکہ گالی گلوچ پر اتر آیا ہے اور بیوی کی توہین اور تذلیل کر رہا ہے، البتہ جب کنایہ سے جواب کا معنی مراد لیتے ہیں تو طلاق واقع سمجھی جاتی ہے اور جواب کا معنی شوہر کی نیت سے ثابت ہوتا ہے یا پھر حالات اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کنایہ کی تعریف میں ''غیر طلاق'' سے مراد ہر اس مطلب کی نفی نہیں جو طلاق کے علاوہ ہو، بلکہ اس سے خاص ''گالی گلوچ'' یا ''رد'' کا مطلب مراد ہے۔ اب جو لفظ صرف طلاق کے لیے یا عموماً طلاق کے لیے استعمال ہوتا ہے وہ تو صریح ہے اور جو صرف جواب کا یا اس کے ساتھ رد یا سب کا بھی احتمال رکھتا ہے وہ کنایہ ہے اور جو نہ صریح ہے اور نہ ان تینوں معانی میں سے کسی ایک کا احتمال رکھتا ہے تو وہ طلاق کا لفظ ہی نہیں ہے اور اس سے طلاق واقع ہو ہی نہیں سکتی، اگرچہ شوہر اُسے طلاق کی نیت سے استعمال کرے۔ اسی وجہ

سے اس تیسرے فائدے کے آغاز میں کہا گیا تھا کہ طلاق صرف صریح یا کنایہ الفاظ سے پڑتی ہے۔

بہر حال طلاق اور طلاق کے علاوہ کا احتمال رکھنے کی وجہ سے لفظ میں تردد پیدا ہو جاتا ہے، اس تردد کو دور کرنے، ایک احتمال کو دوسرے احتمال پر فوقیت دینے اور دونوں معانی میں سے کسی ایک معنی کی تعیین کے لیے دلیل کی ضرورت پڑتی ہے، دلیل یا تو شوہر کا بیان ہے کہ وہ اپنی منشأ کا اظہار کردے یا قرائن وشواہد ہیں، جن سے شوہر کی نیت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ فقہاء اول الذکر کو نیت اور مؤخر الذکر کو دلالت حال سے تعبیر کرتے ہیں، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کنایات سے طلاق اس وقت واقع ہوتی ہے کہ جب یا تو شوہر طلاق کی نیت کا اظہار کردے یا موقع وحال سے معلوم ہو کہ شوہر نے طلاق کی نیت سے کنایہ کا استعمال کیا ہے۔

نیت اور دلالت کا فرق

۱:...... نیت کا تعلق صرف شوہر کی ذات سے ہے، جب کہ دلالت حال شوہر کے ساتھ خاص نہیں ہے، مثلاً: دلالت کی ایک قسم مذاکرۂ طلاق کی ہے اور مذاکرۂ طلاق جس طرح شوہر کے طلاق دینے سے ثابت ہوتا ہے، اسی طرح بیوی کی طرف سے طلاق کے مطالبے اور اجنبی کی جانب سے طلاق کے تقاضے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ماحول پرسکون اور معتدل ہے تو وہ حالت رضا ہے، ظاہر ہے کہ میاں بیوی مل کر ایسے ماحول کی تشکیل کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ دلالت کا تعلق نیت کی طرح صرف شوہر کے ساتھ نہیں، بلکہ مجموعی ماحول سے ہے۔

۲:...... نیت شوہر کا داخلی جذبہ ہے، اس لیے اس کا ثبوت شوہر کے اظہار پر موقوف ہے اور اس کے ہونے یا ہونے میں اس کا قول حجت ہے، جبکہ دلالت حال مشاہدے میں آتی ہے اور حواس سے اُسے محسوس کیا جا سکتا ہے، گویا ایک باطنی اور معنوی ہے اور دوسرا حسی اور مشاہداتی ہے۔ حسی ہونے کی بناء دلالتِ حال زیادہ قوی ہے اور اُسے شہادت سے ثابت کیا جا سکتا ہے، مگر نیت کو شہادت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

۳:...... اگر دونوں میں تزاحم وتصادم ہو تو مفتی کا فتویٰ نیت پر اور قاضی کا فیصلہ دلالت حال پر ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ شوہر کنایہ سے کوئی ایسی نیت بیان کرتا ہے جس کو دلالتِ حال جھٹلاتا ہے تو قاضی شوہر کی نیت کا اعتبار نہیں کرے گا۔

۴:...... نیت ہو تو کنایہ کی تینوں قسموں میں سے ہر ایک سے طلاق واقع ہو سکتی ہے، دلالت حال کی ضرورت نہیں، جبکہ دلالت حال کی وجہ سے بعض کنایات سے بلا نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے، جبکہ بعض میں نیت کی موجودگی لازم ہوتی ہے۔ گویا دلالت کے ساتھ نیت کی بھی ضرورت واقع ہو جاتی ہے، مگر نیت تنہا بھی کافی ہو جاتی ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر دونوں میں فرق ہے، مگر اس فرق کے باوجود دونوں قضاءً طلاق کی

شرطیں ہیں، عنداللہ صرف اس وقت طلاق واقع ہوگی جب شوہر کی نیت طلاق کی ہوگی:

''فالکنایات لاتطلق بها قضاءً إلا بنیةٍ او دلالةِ الحال. در علی التنویر. (قوله قضاء) قید به لانه لا یقع دیانةً بدون النیة، ولو وجدت دلالة الحال، فوقوعه بواحد من النیة أو دلالةٍ،إنما هو فی القضاء فقط کماهو صریح البحر وغیره''۔

دلالتِ حال کی تقسیم

نیت کا مطلب تو واضح ہے، دلالتِ حال سے مراد وہ سچویشن ہے جس میں شوہر نے کنایہ کا استعمال کیا ہے، فقہاء حصر کے ساتھ اُسے تین حالتوں میں بیان کرتے ہیں:

۱:......رضامندی کی حالت ۲:......غضب کی حالت ۳:......مذاکرۂ طلاق کی حالت

مذاکرۂ طلاق کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ہو یا کسی تیسرے فرد کی جانب سے طلاق کا اصرار اور تقاضا ہو، ان دونوں صورتوں کو مطالبۂ طلاق سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اگر شوہر کنایہ کے استعمال سے پہلے طلاق دے چکا ہے تو اس سے بھی مذاکرۂ طلاق ثابت ہوجاتا ہے، اس تیسری صورت کو ''تقدیم الإیقاع'' کہتے ہیں۔ (۷) حالت غضب یہ ہے کہ شوہر غصے میں ہو، عموماً یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے کہ جب زوجین میں جھگڑا چل رہا ہو اور جب نہ مذاکرہ ہو اور نہ غیظ وغضب ہو تو وہ رضامندی کی حالت ہے۔

کنایات کی تقسیم

ان تینوں حالتوں میں جو لفظ استعمال ہوگا، وہ بھی درج ذیل تین قسموں میں سے کوئی ایک ضرور ہوگا:

۱:......جو جواب اور رد دونوں کا احتمال رکھتا ہو۔

۲:......جو جواب اور سب وشتم کا احتمال رکھتا ہو۔

۳:......جو صرف جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ کنایات سب کے سب جواب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، گویا جواب کی صلاحیت رکھنا سب کنایات میں قدر مشترک ہے، یہی وجہ ہے کہ نیت ہو تو کنایات میں سے ہر ایک سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، پھر جواب کی صلاحیت ہونے کے ساتھ ان کنایات میں سے بعض میں یہ اضافی صفت بھی ہے کہ وہ ''رد'' کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور بعض دیگر میں رد کا احتمال تو نہیں، مگر ان میں سب وشتم کی زائد خصوصیت پائی جاتی ہے۔ (۸)

ما قبل میں گزر چکا کہ کنایات کی بحث میں جب کہا جاتا ہے کہ اس لفظ میں غیر طلاق کا بھی احتمال ہے تو اس ''غیر'' سے یہی ''سب وشتم'' یا ''رد'' کا معنی مراد ہوتا ہے۔ اور جس کنائی لفظ میں ان دونوں میں سے کوئی احتمال نہیں ہوتا، وہ جواب کے لیے متعین ہوتا ہے۔

جواب کا مطلب گزر چکا ہے کہ شوہر نے مطالبۂ طلاق کے جواب میں طلاق دے دی ہے۔

''رد'' کا مطلب طلاق کے مطالبے کو مسترد کرنا ہے، چاہے مطالبہ بیوی کی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے ہو۔ ''سب وشتم'' سے مراد کوئی ایسا کلمہ ہے جس سے بیوی کی توہین یا تذلیل کا پہلو نکلتا ہو۔ مثالوں سے تینوں قسم کے الفاظ کی اچھی وضاحت ہوجائے گی، مثلاً ''اخرجی'' (نکل) کا اگر یہ مطلب ہے کہ یہاں سے نکل، تاکہ جھگڑا دفع اور شر رفع ہو تو یہ سوال کا رد ہوا، اور اگر مطلب یہ ہے کہ نکل میرے گھر سے، اس لیے کہ میں طلاق دے چکا ہوں تو یہ طلاق کے سوال کا جواب ہے۔ ''اذهبي'' کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ چلی جاؤ اور اپنا کام کاج کرو اور یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ مجھ سے بائنہ ہوچکی ہو۔ ''تقنعي'' کا ایک مطلب یہ ہے کہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالو، تاکہ کوئی اجنبی تمہیں نہ دیکھے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں نہ دیکھ سکوں، کیونکہ میرے لیے اب تم حلال نہیں ہو۔ اسی طرح کے احتمالات ''اخرجي'' سے ملتے جلتے الفاظ ''تخمري، استتري، انتقلي، انطلقي، اغربي'' وغیرہ میں بھی نکلتے ہیں۔ (۹)

''خلية'' اور اس کے مانند دوسرے الفاظ جیسے ''برية، بائن، بتة، بتلة'' وغیرہ میں جواب کے ساتھ سب وشتم کا بھی احتمال ہے، مگر رد کا احتمال نہیں ہے، مثلاً ''خلية'' کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تو خوبیوں اور کمالات سے خالی اور سراپا ننگ وعار ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ تو نکاح سے خالی ہے، اول احتمال سب وشتم کا اور ثانی طلاق کا ہے۔ اسی پر ''خلية'' کے بقیہ مترادفات ''انتقلي، انطلقي'' وغیرہ کو بھی قیاس کرلیجیے۔ (۱۰) ''فارقتک، أمرک بيدک، اختاري، أنت حرة، أنت واحدة'' وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن میں جواب بننے کی صلاحیت ہے، مگر رد اور سب کا احتمال نہیں ہے، مثلاً: ایک احتمال یہ کہ ''تجھے اس مکان میں چھوڑا'' تو یہ طلاق نہیں ہے اور یہ احتمال کہ ''تجھے طلاق دی اس لیے چھوڑا'' طلاق ہے۔ (۱۱)

تینوں قسم کے الفاظ اور حالات کے بیان کے بعد اب کنایات سے طلاق کے وقوع اور عدمِ وقوع کا سمجھنا آسان ہے۔

رضامندی کی حالت میں کنایہ سے اس وقت طلاق واقع ہوگی، جب شوہر کی نیت طلاق دینے کی ہو، کیوں کہ لفظ میں طلاق کے علاوہ غیر طلاق کا بھی احتمال ہے اور کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں ہو جو طلاق پر دلالت کرتا ہو، اس لیے بدون نیت طلاق واقع کرنے کی کوئی وجہ نہیں، چنانچہ شوہر سے اس کی نیت دریافت کی جاتی ہے، اگر وہ بیان کرے کہ اس کا ارادہ ومقصد طلاق دینے کا نہ تھا اور اس پر حلف بھی اٹھالیتا ہے تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا، مگر شوہر کا حلف اٹھانا لازمی ہے، چاہے بیوی کا دعویٰ طلاق کا ہو یا نہ ہو، البتہ بیوی اندرونِ خانہ ہی شوہر سے حلف لے سکتی ہے اور اگر شوہر حلف اُٹھانے سے انکار کردے تو بیوی کو معاملہ عدالت تک لے جانا چاہیے۔

غصے کی حالت جذبات کی بے اعتدالی کی حالت ہوتی ہے، اس لیے شوہر سے کوئی بھی اقدام بعید نہیں ہوتا ہے، کبھی وہ طلاق کا ہتھیار استعمال کرلیتا ہے، کبھی بدکلامی اور بدزبانی پر اتر آتا ہے تو کبھی طلاق کے مطالبے کو مسترد کردیتا ہے۔ اب اگر غصے کی حالت میں شوہر نے طلاق اور گالی کا احتمال رکھنے والا لفظ استعمال کیا ہے تو غصے کے قرینے سے کسی ایک جانب کو متعین نہیں کرسکتے ہیں، کیونکہ غصے میں دونوں کام کیے جاتے ہیں، اس لیے شوہر کی نیت دریافت کی جائے گی، اگر اس نے طلاق کی نیت کا انکار کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ لفظ میں گالی کا مطلب بھی پایا جاتا ہے اور اس کی ظاہری حالت سے بھی اس کی نیت کی تردید نہیں ہوتی ہے۔

اگر اس نے غصے میں طلاق اور رد کا احتمال رکھنے والا کنایہ استعمال کیا ہے تو بھی اس کی نیت پوچھی جائے گی، کیونکہ غصے میں جہاں یہ امکان ہے کہ اس نے طلاق دے کر غصہ اتار دیا ہو، وہاں یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے بیوی کے طلاق مانگنے پر اُسے جھڑک دیا ہو، اس قسم کے الفاظ میں بھی غصہ دونوں کا مساوی احتمال رکھتا ہے، اس لیے طلاق کا ہونا شوہر کی نیت پر موقوف ہوگا۔

اگر شوہر نے غصے میں ایسا لفظ استعمال کیا ہے جو صرف جواب یعنی طلاق کے لیے متعین ہے تو طلاق واقع ہے اور شوہر کی نیت پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ کنایہ میں غیر طلاق کی گنجائش ہوتی ہے، مگر اس غیر سے مراد سب وشتم اور رد کا معنی ہوتا ہے، جب کہ جو لفظ جواب کے لیے متعین ہو اس میں سب وشتم اور رد کا احتمال ہی نہیں ہوتا اور جب یہ احتمال زائل ہوجاتا ہے تو طلاق کا احتمال متعین ہوجاتا ہے اور غصے کے قرینے سے طلاق ہونے کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

حالتِ مذاکرہ میں اگر شوہر صرف جواب کا احتمال رکھنے والا لفظ استعمال کرے تو بلا نیت طلاق واقع ہے، کیونکہ لفظ طلاق کا ہے اور مطالبہ بھی طلاق کا ہے اور مطالبے پر طلاق دینا قرین قیاس ہے۔ اسی طرح جس لفظ میں جواب کے ساتھ سب وشتم کا احتمال ہو وہ بھی طلاق کے لیے سمجھا جائے گا، کیونکہ خوشگوار ماحول میں یہ غیر معقول معلوم ہوتا ہے کہ شوہر گالی گلوچ اور بدکلامی پر اتر آیا ہو، البتہ جس لفظ میں طلاق کے ساتھ رد کا بھی احتمال ہے، اس میں شوہر کی نیت دیکھی جائے گی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شوہر نے طلاق کا مطالبہ یکسر مسترد کردیا ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس نے طلاق دے دی ہو، اس لیے مذاکرے کی حالت کو تو فیصلہ کن حیثیت نہیں دی جاسکتی، البتہ شوہر کی نیت کو حکم کے لیے مدار بنایا جائے گا۔ (۱۲)

حوالہ جات

۱ :... فالألفاظ التی یقع بها الطلاق فی الشرع نوعان: صریح وکنایة... (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی النیة فی طلاق الکنایة، ۳/ ۱۶۴، ط: داراحیاء التراث العربی، وکذا فی رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الصریح، ۳/ ۲۴۷، ط: سعید)

۲ :... (صریحه مالم یستعمل إلافیه) ولو بالفارسیة، (الدر المختار) (قوله مالم یستعمل إلا فیه) أی غالبًا کما یفیده کلام البحر"۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الصریح، ۳/ ۲۴۷، ط: سعید)

۳:...أما الصريح فهو الذى لا يستعمل إلا فى حل قيد النكاح وهو لفظ الطلاق أو التطليق....سمى هذا النوع صريحا لأن الصريح فى اللغة اسم لما ظاهر المراد مكشوف المعنى عند السامع من قولهم ”صرح فلان بالأمر أى كشفه وأوضحه ....وهذه الألفاظ ظاهرة المراد،لأنها لا تستعمل إلا فى الطلاق عن قيد النكاح فلا يحتاج فيها إلى النية لوقوع الطلاق، إذ النية عملها فى تعيين المبهم ولا إبهام فيها“۔(بدائع الصنائع،كتاب الطلاق،فصل فى النية فى طلاق الكناية،۳/ ۱۶۱،ط:دار إحياء التراث العربى وكذا فى رد المحتار،كتاب الطلاق،باب الصريح،۳/ ۲۴۷،ط:سعيد)

۴:...والأصل الذى عليه فتوىٰ فى زماننا هذا فى الطلاق بالفارسية أنه إن كان فيها لفظ لا يستعمل إلا فى الطلاق فذلك اللفظ صريح يقع به الطلاق من غير نية إذا أضيف إلى المرأة مثل أن يقول فى عرف فى ديارنا ”رها كنم“أو فى عرف خراسان والعراق بهشتم لأن الصريح لا يختلف باختلاف اللغات وماكان فى الفارسية من الألفاظ مايستعمل فى الطلاق وفى غيره فهو من كنايات الفارسية فيكون حكمه حكم كنايات العربية فى جميع الاحكام“(بدائع الصنائع،كتاب الطلاق،فصل الطلاق بالألفاظ الفارسية،۳/ ۱۶۴،ط:دار إحياء التراث العربى)

۵:...(كنايته)عند الفقهاء(مالم يوضع له)أى الطلاق (واحتمله)وغيره(فالكنايات لاتطلق بها قضاء إلا بنية أو دلالة الحال)وهى حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب،(قوله كنايته عند الفقهاء)أى كناية الطلاق المرادة فى هذا المحل وإلا فمعناها عندهم مطلقا كالأصوليين:ما استتر المراد منه فى نفسه۔(الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الطلاق،باب الكنايات،ج۳/ ۲۹۶،ط:سعيد)

۶:...ردالمحتار على الدر المختار،كتاب الطلاق،باب الكنايات،۳/ ۲۹۶ ط:سعيد

۷:...قال فى البحر :وبه علم أن الحوال ثلثة:حالة مطلقة عن قيدى الغضب والمذاكرة وحالة المذاكرة وحالة الغضب .(أيضا)(قوله أو دلالة الحال)المراد بها الحالة الظاهرة المفيدة لمقصوده،ومنها تقدم ذكر الطلاق...قوله وهى حالة مذاكرة الطلاق)أشار به إلى مافى النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال،قال:وعلى هذا فتفسر المذاكرة،بسؤال الطلاق،أو تقديم الإيقاع كما اعتدى ثلاثًا وقال قبله،المذاكرة ان تسأله هى أو الأجنبى الطلاق-(ردالمحتار،كتاب الطلاق،باب الكنايات،ج۳/ ۲۹۷ ط:سعيد)

مذاکرۂ طلاق کی تفسیر میں یہی صورتیں بیان ہوئی ہیں، اگر ان میں حصر مراد ہوتو یہ نتیجہ نکالنا درست ہوگا کہ مذاکرہ سے مراد محض طلاق کا تذکرہ نہیں ہے، مثلاً شوہر کہے کہ: ”ہندہ کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی اور وہ میکے چلی گئی، تم بھی والدین کے ہاں چلی جاؤ“ اس کہنے سے مذاکرہ ثابت نہیں ہوگا، لیکن اگر بیوی کہے کہ: ”صاف لفظوں میں کہہ دو کہ میں نے طلاق دی تو میں چلی جاتی ہوں“ اور شوہر جواب دے کہ: جہنم میں جاؤ“ تو مذاکرہ ثابت ہو جائے گا۔

۸:...(والكنايات ثلاث الخ)حاصله أنها كله تصلح للجواب:أى اجابته لها فى سؤالها الطلاق منه،لكن منها قسم يحتمل ردا أيضا أى عدم إجابة سؤالها كأنه قال لها :لاتطلبى الطلاق فإنى لا أفعله،وقسم يحتمل السب والشتم دون الرد...۔(تنوير الأبصار مع الدر المختار،كتاب الطلاق،باب الكنايات،ج:۳،ص:۲۹۸-۳۰۲،ط:سعيد)

۹:...قوله:(فنحو اخرجى واذهبى وقومى)أى من هذا المكان لينقطع الشر فيكون ردا أو لأنه طلقها فيكون جوابًا،رحمتى۔(ردالمحتار،كتاب الطلاق،باب الكنايات،ج:۳،ص:۲۹۸،ط:سعيد)

۱۰:...أى خالية عن النكاح أو عن الخير...أى فهو على الأول جواب وعلى الثانى سب وشتم۔(ردالمحتار،ط:سعيد)

۱۱:...فارقتك لأنى طلقتك أو فى هذا لامنزل(أيضا)فإن كانت حالة الرضا وابتدأ الزوج بالطلاق دين فى القضاء فى جميع الألفاظ لما ذكرنا أن كل واحد من الألفاظ يحتمل الطلاق وغيره والحال لا يدل على أحدهما فيسئل عن نيته ويصدق فى ذالك قضاءً۔(بدائع الصنائع،كتاب الطلاق)

۱۲:...”فالحالات ثلاث:رضى وغضب ومذاكرة،والكنايات ثلاث:ما يحتمل الرد،أو ما يصلح للسب،أو لا ولا(فنحو،اخرجى واذهبى وقومى)تقنعى،تخمرى،استترى،انتقلى،انطلقى،اغربى،من الغربة أو من العزوبة (يحتمل ردًا،ونحو:خلية،برية،حرام،بائن)ومرادفها كبعة بتلة (يصلح سبا،ونحو :اعتدى،واستبرئى رحمك، أنت واحدة، أنت حرة، اختارى،أمرك بيدك،سرحتك،فارقتك لايحتمل السب والرد، ففى حالة الرضا)أى:غير الغضب والمذاكرة (تتوقف الأقسام) الثلاثة تاثيرًا (على النية)للاحتمال،والقول له بيمينه فى عدم النية،ويكفى تحليفهاله فى منزله،فإن أبى رفعته للحاكم،فإن نكل فرق بينهما، مجتبى،(وفى الغضب)توقف (الأولان)إن نوى وقع وإلا لا(وفى مذاكرة الطلاق)يتوقف (الأول فقط)ويقع بالأخيرين وإن لم ينو،لأن مع الدلالة لا يصدق قضاءً فى نفى النية لأنها أقوى،لكونها ظاهرة والنية باطنة، ولذا تقبل بينتها على الدلالة لاعلى النية،إلا أن تقام على إقراره بها،عمادية۔(تنوير الأبصار مع الدر المختار،كتاب الطلاق،باب الكنايات، ج:۳،ص:۲۹۸،۳۰۲،ط:سعيد)

(جاری ہے)